ذہبی دوراں مؤرخ العصر علامہ محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ

نام؛۔ محمد اسحٰق بھٹی

لقب؛۔ ذہبی دوران مؤرخ اہلحدیث

ولدیت ونسب؛۔ محمد اسحٰق بن عبدالمجید بن محمد بن دوست محمد

ددھیال؛۔ بھٹی صاحب کے دادا محمد بن دوست محمد چار بھائی تھے۔ بڑے محمد ان سے چھوٹے محمد شریف ان سے چھوٹے محمد رمضان یہ تینوں بھائی حکیم تھے ان سے چھوٹے حافظ محمد کریم جونا بینا تھے۔ اور حافظ قرآن تھے۔

ننھیال ''ڈھانیں'' کے باشندے بابا امام دین تھے۔ ان کے تین بیٹے میاں نور جمال' میاں جلال دین اور میاں عنایت اللہ تھے۔ اور تین بیٹیاں مراد بی بی' نور بھری اور راج بی بی تھیں۔

مراد بی بی کی شادی حکیم محمد رمضان سے ہوئی جو بھٹی صاحب کے دادا محمد کے بھائی تھے۔ اور بھٹی صاحب کے والد عبدالمجید کی شادی ان کے چچا حکیم محمد رمضان کی بیٹی فاطمہ سے ہوئی۔ اور یہ ہنڈائیہ وسابق ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں رہتے تھے۔

مراد بی بی کی ہمشیرہ نور بھری کی شادی مولانا کریم بخش سے ہوئی جو بڈھیمال میں رہتے تھے اور ان کے بیٹے شیخ الشیوخ استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ بڈھیمالوی ہیں۔ اس طرح حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور میاں جلال دین جو مراد بی بی کے بھائی ہیں۔ ان کے بیٹے مولوی عبدالعزیز ہیں جن کے لخت جگر معروف ومشہور شیخ الحدیث مولانا عبداللہ امجد چھتوی ہیں۔

تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش

بھٹی صاحب 15 مارچ 1925ء بمطابق 19 شعبان 1343 بروز اتوار اپنے ننھیال ہنڈائیہ میں پیدا ہوئے کیونکہ عام رسم ورواج کے مطابق پہلا بچہ اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ ان کے نانا حکیم محمد رمضان نے ان کا نام عبدالرشید رکھا۔ اور جب اپنے ددھیال آئے تو ان کے دادا حکیم محمد نے نام محمد اسحٰق رکھا اور یہی معروف ہوا۔

تعلیم و تربیت

تعلیم کا آغاز بہت چھوٹی عمر میں اپنے دادا حکیم محمد سے کیا جو انتہائی متقی' پرہیز گار' دیانت وذہانت سے متصف' متدین انسان تھے۔ گھر میں پڑھنا شروع کیا ناظرہ قرآن مجید پڑھا آخری پارہ کی چند سورتیں یاد کیں۔ مولانا رحیم بخش کی کتاب جو چودہ حصوں پر مشتمل ہے ابتدائی چار حصے' حافظ محمد لکھوی کی انواع محمدی' زینت الاسلام اور احوال الآخرت ان سے پڑھیں۔ اس طرح شہاب الدین نامی پٹواری سے تختی پر لکھنے کی مشق کرلی' اس تعلیم سے انہیں اردو عبارت لکھنی پڑھنی آ گئی تو انہیں 1933ء میں جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی سرکاری مڈل سکول کی چوتھی جماعت میں داخلہ مل گیا اور 1934ء میں پانچویں جماعت کرلی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی کوٹ کپورہ میں آمد

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے بڑے بھائی قاری حافظ محمد عبداللہ بھوجیانی رحمہ اللہ کوٹ کپورہ کی مسجد اہلحدیث کے امام تھے۔ اس لئے وہاں کی انجمن اصلاح المسلمین نے 1933ء کو مولانا عطاء اللہ کو بطور خطیب اور مدرس بلا لیا۔ اس وقت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی کوٹ کپورہ کی ایک مسجد میں جو حاجی نور الدین کی مسجد کہلاتی تھی۔ درس نظامی کی تعلیم دیتے جو بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بھٹی صاحب کے والد انہیں جبکہ وہ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے۔ صبح صبح حافظ صاحب کے پاس لے گئے کہ سکول جانے سے پہلے اور واپسی پر شام تک ان کے پاس پڑھا کرو۔ اس وقت بھٹی صاحب کی والدہ کے ماموں زاد بھائی عبدالرشید بھی وہاں پڑھتے جو مولانا عبداللہ امجد چھتوی کے چچا ہیں۔

حافظ صاحب نے بھٹی صاحب کو فارسی قواعد کی ابتدائی کتاب فیوض نامہ شروع کرائی اور فرمایا مجھے قرآن مجید کے دور کو ع روزانہ سنایا کرو تھوڑے عرصہ کے بعد ان کے گھر کی قریب کی مسجد میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی آ گئے تو پھر وہاں جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ حافظ صاحب والی

مسجد گھر سے دوڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔

بھوجیانی صاحب جنوری 1933ء میں کوٹ کپورہ آئے تھے جو فرید کوٹ ریاست کا ایک قصبہ تھا فرید کوٹ ریاست پنجاب کی آٹھ ریاستوں میں ایک تھی جو پنجاب کے قلب میں واقع تھی۔ بھٹی صاحب کے دادا' ان کو مولانا بھوجیانی کی خدمت میں لے گئے اور کہا اس کو پڑھا دیا کریں' مولانا بھوجیانی وہاں 1933ء سے 1936ء تک چار سال رہے اس دوران انہوں نے ترجمہ القرآن' رحمۃ للعالمین سنن نسائی۔ قدوری شرح نخبۃ الفکر۔ نور الانوار' شرح مائۃ عامل' ہدایۃ النحو' فصول اکبری' مقامات اور مرقاۃ کا درس لیا۔

1935ء میں ریاست فرید کوٹ کے نواب نے ایک مسجد پر قبضہ کر کے اسے شہر کی میونسپل کمیٹی کا دفتر بنا دیا اس واقعہ پر مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا اور مولانا بھوجیانی نے کوٹ کپورہ کی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب کی حیثیت سے جمعہ کے خطبات میں والئی ریاست کے اس اقدام کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ جس پر حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا اور انہیں جیل میں بند کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کے شدید احتجاج کی بنا پر چار دن کے بعد ان کو رہا کرنا پڑا۔ لیکن اب ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان کا وہاں رہنا بہت مشکل ہو گیا۔ 1936ء کے آخری دنوں میں مولانا محمد علی لکھوی کوٹ کپورہ تشریف لائے اور انجمن اہلحدیث کے افراد وارکان سے گفتگو کی کہ اب مولانا بھوجیانی کا یہاں رہنا ممکن نہیں ہے اس لئے آپ اجازت دیں میں انہیں اپنے مرکز الاسلام لے جاؤں اور یہ مرکز لکھوکی سے کچھ فاصلہ پر بنایا گیا تھا۔ ان سے میرے بیٹے محی الدین اور معین الدین کسب فیض کریں گے۔ اور دوسرے طلبہ کو بھی استفادہ کا موقعہ میسر آئے گا' اراکین جمعیت (انجمن) نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ ان کے دو شاگرد محمد اسحٰق اور محمد رفیق بھی ان کے ساتھ جائیں گے اس طرح یہ تینوں حضرات یکم جنوری 1937ء کو مرکز الاسلام پہنچ گئے۔

جب تک بھٹی صاحب کوٹ کپورہ میں رہے تو ان کی دادی رمضان خاتون جن کو وہ انبو کا نام دیتے تھے ان کی والدہ سے کہتیں فاطمہ منڈا پڑھ کے آیا ہے۔ اس کو چھنے میں دودھ پلاؤ اور اس میں گھی اور کھانڈ بھی ڈال دو بھٹی صاحب کانسی کے چھنے میں بڑے مزے سے دودھ سے لطف

اندوز ہوتے اور فراغت کے بعد ماں اور دادی سے لپٹ جاتے' ان کی دادی ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی نابینا ہوگئی تھی' سردیوں کے موسم میں وہ سب بہن بھائیوں کو اپنے لحاف میں اپنے ساتھ سلاتیں اور اس دور کے رواج کے مطابق انہیں عجیب وغریب قصے اور کہانیاں سناتیں' وہ چونکہ انتہائی سستا زمانہ تھا دمڑی' دھیلہ کے پیسے کا سکہ رائج الوقت تھا ان کے والد جنہیں یہ میاں جی کہتے تھے سکول جاتے وقت انہیں ایک پیسہ دیتے تھے جس کی یہ دو قسطوں میں مختلف چیزیں خرید لیتے۔

1937ء میں جب یہ مرکز الاسلام چلے گئے اور وہاں مولانا محمد علی لکھوی کے دونوں بیٹوں کے ساتھ سنن نسائی کے درس میں شریک ہوگئے اس طرح دونوں بھائیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم ہوگئے اور وہاں ایک سال رہے اور مولانا بھوجیانی سے مختلف کتابیں پڑھیں 1937ء کے آخر میں فیروز پور شہر کی جماعت اہلحدیث کے چند افراد مولانا محمد علی لکھوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی فیروز پور ضلع کا مرکزی شہر ہے اور وہاں گنبداں والی مسجد جس کا کوئی مستقل خطیب نہیں ہے۔اور نہ ہی کوئی دینی مدرسہ ہے فیروز پور چھاؤنی کی صورت حال بھی یہی ہے آپ ازراہ کرم مولانا بھوجیانی کو وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ دونوں کام ہوسکیں اس طرح مولانا بھوجیانی 1938ء میں فیروز پور گنبداں والی مسجد تشریف لے آئے اور وہاں دارالحدیث نذیریہ کے نام سے مدرسہ شروع کیا جس کا افتتاح حافظ عبداللہ بڈھیمالوی نے کیا

ایک خواب اور اس کی تعبیر

کوٹ کپورہ میں مولانا بھوجیانی سے حصول تعلیم کے دوران بھٹی صاحب کے ایک طالب علم ساتھی کو خواب آیا کہ بھٹی صاحب کنویں میں گر گئے ہیں اس کی تعبیر کوٹ کپورہ کے ایک انتہائی نیک بلکہ ولی اللہ حاجی نورالدین نے یہ بتائی کہ یہ بچہ تعلیم حاصل کرے گا اور ایسے ہی ہوا۔

مدرسہ دارالحدیث نذیریہ میں تعلیم مولانا بھوجیانی سے 1938ء تا 1940ء تین سال میں مندرجہ ذیل کتب پڑھیں کتب تفسیر میں جامع البیان اور تفسیر جلالین کا کچھ حصہ' کتب حدیث میں بلوغ المرام اور صحاح ستہ' کتب فقہ میں حنفی فقہ کی شرح الوقایہ اور کنز الدقائق' اصول فقہ میں نورالانوار' توضیح تلویح' اصول حدیث میں مقدمہ ابن الصلاح' صرف ونحو میں کافیہ' شرح

جامی‘ شافیہ‘ مراح الارواح‘ زنجانی‘ ادب میں سبعہ معلقہ اور دیوان متنبی‘ علم المعانی والبیان میں مختصر المعانی‘ مطول‘ علم العروض میں محیط الدئرہ منطق میں‘ شرح تہذیب قطبی‘ میر قطبی‘ سلم العلوم اور رسالہ میر زاہد فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ‘ علم الفرائض میں سراجی‘ علم المناظرہ میں رشیدیہ‘ اور فنون کی بعض کتابیں مولانا محمد شفیع ہوشیاری اور مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے پڑھیں۔ مولانا ثناء اللہ کافی عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں استاد رہے اور یہیں ان کی وفات ہوئیں۔

ایک حادثہ فاجعہ

1937ء میں جبکہ بھٹی صاحب مرکز الاسلام لکھو کے میں پڑھنے چلے گئے تو ان کی والدہ بیمار ہوگئیں مرض استسقا تھا بھٹی صاحب کے دادا خود حکیم تھے جڑی بوٹیوں سے ہر طرح علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور وہ مئی 1937ء میں وفات پا گئیں۔ یہ چار بھائی بہن تھے سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے جن کی عمر اس وقت بارہ سال تھی‘ ان سے چھوٹی بہن کی عمر نو سال اس کے چھوٹی چھ سال اور چھوٹا بھائی محمد حسین بہت کم عمر تھا جسے فوت ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ دادا بوڑھا تھا اور دادی بوڑھی اور نابینا تھی۔ اور والد کی عمر چھتیس سنتیس سال تھی۔ اس لئے دادے کو بیٹے کی دوسری شادی کی فکر لاحق ہوئی تاکہ گھر کا نظم ونسق صحیح طور پر چل سکے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ہو سکے۔ ان کے دادا نے اپنے بھائی حکیم محمد رمضان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی آسیہ کا رشتہ دے کیونکہ خالہ ماں کی طرح ہی بچوں سے پیار ومحبت کرتی ہے۔ لیکن اس نے معذرت کی کہ میری بیٹی اپنے بھانجے‘ بھانجیوں کو سنبھال نہیں سکے گی۔

بھٹی صاحب کی ذہانت وفطانت

بھٹی صاحب نے دادا سے درخواست کی کہ آپ مجھے نانا جان سے بات کرنے کی اجازت دیں اجازت ملنے کے بعد وہ اپنے نانا کے ہاں گئے اور ان سے انتہائی موثر انداز سے انتہائی مؤدبانہ طریقہ سے گفتگو کی کہ نانا جان آپ جانتے ہیں میں بڑا ہوں باہر ساتھیوں سے گھل مل کر وقت گذار لوں گا‘ لیکن بچیاں کیسے گذارہ کریں گی ان کو تکلیف اور پریشانی لاحق ہوگئی تو آپ ہی کو صدمہ ہوگا‘ اس لئے آپ دیکھ لیں یہ صدمہ برداشت کرلیں گے تو اس طرح ان کے نانا رشتہ دینے کیلئے آمادہ ہوگئے کہ جس طرح بچہ کہتا ہے اسی طرح

کرلو۔ اس طرح 1938ء میں ان کی خالہ آسیہ سے ان کے والد کی دوسری شادی ہوگئی اور گھر کے حالات استوار ہوگئے۔ ان کے دادا نماز فجر سے قبل مسجد میں جاتے اور بھٹی صاحب کو بھی جگا کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ اور بسا اوقات فجر کی اذان بھٹی صاحب سے کہلواتے اس طرح بھٹی صاحب کو فجر سے پہلے جاگنے کی عادت پڑ گئی۔

گوجرانوالہ میں داخلہ

1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے بھٹی صاحب کو گوجرانوالہ میں حضرت شیخ الشیوخ اور محدث العصر حافظ محمد گوندلوی اور حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل سلفی سے تحصیل علم کرنے کا مشورہ دیا اور حضرت سلفی کے نام رقعہ بھی دیا اس طرح وہ گوجرانوالہ آگئے اور مولانا محی الدین لکھوی بھی مزید علم کی پیاس بجھانے چلے آئے اس طرح حضرت الاستاذ الشیخ الفاضل حافظ محمد گوندلوی صاحب سے دوبارہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی، اور موطا، امام مالک پڑھیں اور حضرت مولانا اسماعیل سلفی سے دوبارہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین کا سبق لیا اور ان کے ساتھ حضرت شیخ الجلیل مولانا محی الدین لکھوی بھی شریک تھے۔ مولانا اسماعیل سلفی سے حماسہ، متنبی ہدایہ۔ میر قطبی وغیرہ بھی پڑھیں۔

ملازمت

1942ء میں بھٹی صاحب درس نظامی کی تکمیل کر کے گھر واپس آگئے تو ان کے محترم ومشفق چودھری برکت علی جو ہیڈ سلیمان کی میں بہ حیثیت اکاؤنٹس آفیسر خدمات سرانجام دیتے تھے۔ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور کہا آج سے تم یہاں ملازم ہو اور دفتر میں بطور کلرک کام کرو گے، اسی طرح چودھری صاحب نے ان کے مزاج کے مطابق ایسی جگہ ڈیوٹی لگائی جہاں وہ پورے شوق وذوق سے مطالعہ کا شغل جاری رکھ سکیں، اسی طرح ان کو مختلف موضوعات کی کتابوں کے مطالعہ کا وافر وقت میسر آجاتا وہاں کی اونچے گنبد والی شان دار مسجد کے قریب ایک بہترین رہائش بھی مل گئی جہاں وہ پانچوں نمازوں کی امامت کرواتے اور جمعہ پڑھاتے اور نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ درس اور خطبہ جمعہ میں انہوں نے انتہائی مثبت انداز اختیار کیا جس سے نمازی بہت متاثر ہوئے اور ان کے کہے بغیر بہت سے نمازیوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا لیکن بھٹی صاحب وہاں بمشکل ایک سال

ہی گزار سکے حالانکہ وہاں ان کا شوق مطالعہ بھی پورا ہو رہا تھا اور ہر طرح عزت واحترام بھی میسر تھا۔

دہلی آگرہ اور دیگر مقامات کی سیر وتفریح

ملازمت چھوڑ کر بھٹی صاحب اپنے گھر چلے گئے۔ ان کی برادری کے بہت سے لوگ ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے منسلک تھے اور آپ کے والد محترم کا تعلق بھی اس شعبہ سے تھا۔ لہٰذا بھٹی صاحب نے بھی یہی شعبہ اختیار کر لیا۔ محترم قاضی محمد اسلم سیف رحمہ اللہ کے پھوپھا حاجی محمد علی صاحب بھٹی صاحب کو اپنے ساتھ بس پر لے جاتے اس طرح چند دنوں کے بعد وہ اسٹیرنگ پر بیٹھ گئے اور ڈرائیور بن گئے اور چار ماہ تک ان کے ساتھ رہے اور ٹرک کی ڈرائیوری بھی آنے لگی۔ اس ڈرائیوری کے دوران مختلف علاقوں کی سیر وتفریح بھی کر لی۔ لیکن بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہیں اتنا عرصہ تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ' یہ کام تو جاہل بھی کر لیتے ہیں تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ سیر وتفریح کی تفصیلات اپنی کتاب ''گزر گئی گزران'' کے ساتویں باب میں بیان کی ہیں۔

مرکز الاسلام میں تدریس کے فرائض

یکم مارچ 1943ء میں اپنے استاد محترم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو ملنے فیروز پور کی مسجد گنبداں والی میں گئے جہاں وہ خطابت و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ وہ بھٹی صاحب کی صلاحیت واستعداد کے معترف اور شناسا تھے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ اچھا ہوا تم آ گئے ہو کل ہی مولانا معین الدین تشریف لائے تھے۔ اور تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے فوراً مرکز الاسلام پہنچ جاؤ اور وہاں تدریس کا فریضہ سرانجام دو' لکھوی خاندان سے بھٹی صاحب کے بزرگوں کے عرصہ دراز سے عقیدت و ارادت کے تعلقات تھے اور بھٹی صاحب بھی چونکہ ایک سال مرکز الاسلام میں تحصیل علم کیلئے گزار چکے تھے اس لئے مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ سے دوستانہ روابط ومراسم تھے۔ اس لئے چند روز کے بعد امرکز الاسلام پہنچ گئے اور 1943ء 1947ء جولائی تک وہاں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے

شادی خانہ آبادی

تدریس کے دوران 1945ء یا 1947ء میں ہوئی ان کی شادی

بڑھیمال میں حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے چچا محی الدین کی لڑکی سے ہوئی جو محترم مولانا عبداللہ چھتوی حفظہ اللہ کے والد محترم مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ کی بیوی کی بہن تھی لہذا بھٹی صاحب مولانا چھتوی حفظہ اللہ تعالیٰ کے والد کے ہم زلف بن گئے اور مولانا صاحب کے خالو ٹھہرے۔ ہندوستان میں ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوتوں اور نواسوں والی ہے۔

سیاست اور قید وبند بھٹی صاحب چونکہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہفتہ وار 'الھلال اور ابلاغ کی فائلیں پڑھ چکے تھے اور ان کے علی پور جیل کے تحریری بیان' ''قول فیصل'' سے بہت متاثر ہوئے اور مولانا کانگریس کے صدر تھے اس لئے ابتدا میں بھٹی صاحب لباس اور داڑھی کی تراش خراش میں انہی کی تقلید کرتے تھے۔ اور ان کے استاد مولانا بھوجیانی بھی کانگریسی تھے۔ اس سے بھٹی صاحب بھی کوٹ کپورہ کی سیاسی جماعت پرجامنڈل یعنی عوامی جماعت میں حصہ لینے لگے جس کے جنرل سیکرٹری ان کے عزیز قاضی عبیداللہ تھے۔ پھر ان کی جگہ یہ جنرل سیکرٹری بن گئے۔ اس طرح انہیں جیل کی یاترا کرنی پڑی۔

قیام پاکستان 15 اگست 1947ء 27 رمضان المبارک 1366ھ قیام پاکستان عمل میں آیا۔

بھٹی صاحب 21 اگست کو اپنے ایک سوتیس عزیز واقارب کے ساتھ صبح کوٹ کپورہ سے قصور روانہ ہوئے اور رات آٹھ بجے پہنچے ان لوگوں کے پاس نہ کوئی برتن تھا اور نہ کوئی اور چیز صرف وہ کپڑے تھے جو پہنے ہوئے تھے وہ مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب سے ملے ان سے اپنی حال احوال بیان کیے انہوں نے انہیں شہباز روڈ پر کھتونی والی حویلی ''جو دومنزلہ تھی اور بارہ تیرہ کمروں پر مشتمل تھی دے دی اور انہیں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کیں' کچھ دنوں کے بعد یہ قصور سے لاہور آ گئے اور چار پانچ دن وہاں ٹھہرنے کے بعد جڑانوالہ کے قریب چک نمبر 53 گ ب منصور پور ڈھیسیاں آ گئے۔ اس طرح کوٹ کپورہ سے یہاں تک پہنچنے میں تقریباً ڈھائی ماہ لگ گئے۔

ایک عجیب واقعہ جب یہ لوگ لاہور سے جڑانوالہ کیلئے روانہ ہوئے تو بھٹی صاحب کے والد کے پاس پانچ سو روپے تھے اور بھٹی صاحب کے پاس بیس روپے بھٹی صاحب کے والد کی رقم کسی نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر نکال لی، جس کی بنا پر انہیں نہایت مشکل حالات میں گزارہ کرنا پڑا۔

جمعہ کا خطبہ پاکستان آ کر بھٹی صاحب نے جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا۔ چونکہ یہ لوگ ایک شہر سے آئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے شناسا تھے۔ لیکن بھٹی صاحب کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ مولانا معین الدین لکھوی اپنے خاندان سمیت اوکاڑہ سے آ گئے ہیں۔

اوکاڑہ روانگی چونکہ مولانا لکھوی سے دوستانہ مراسم تھے۔ اور اوکاڑہ شہر تھا، اس لئے بھٹی صاحب اوکاڑہ تشریف لے گئے اور کچھ دن وہاں رہنے کے بعد واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

گاؤں واپسی کے بعد معمول انہوں نے حکومت کی طرف سے الاٹ کردہ زرعی زمین میں ایک کٹیا یا جھگی بنالی اور وہاں چارپائی پر بستر بچھا لیا۔ وہاں قرآن مجید اور ہیر وارث شاہ رکھ لی۔ اپنے پرانے معمول کے مطابق صبح اٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پھر تھوڑا بہت کھیت کا کام کرتے تھک جانے کے بعد یہ ہیر وارث شاہ سے دل بہلاتے، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس کے باوجود مطالعہ کا چسکا پورا کرنے کیلئے جڑانوالہ سے دو آنے کا اخبار امروز منگوا کر اسے دو دن پڑھتے۔

برف کا کاروبار آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنے پھوپھی زاد عزیز احمد کے ساتھ مل کر جڑانوالہ سے برف لا کر بیچنی شروع کر دی، بھٹی صاحب روزانہ سائیکل پر ایک من برف لاتے اور اس کو فروخت کرتے۔

گندم کا کاروبار بیس پچیس دن برف کا کاروبار کیا، پھر کسی نے یہ مشورہ دیا مختلف دیہات سے گندم لا کر گاؤں میں فروخت کی جائے تو زیادہ نفع حاصل ہوگا گدھے ایک دوست کے پاس تھے۔ اس طرح کچھ عرصہ گندم کی خرید و فروخت میں کچھ عرصہ بھوسے کی خرید و فروخت میں گزار دیا اس طرح یہ عسرت کا دور انتہائی خودداری حمیت اور غیرت سے بسر کیا۔ پھر

گندم کی کٹائی کے موسم میں اپنی زرعی زمین سے وافر گندم میسر آ گئی اپنی ضرورت کی گندم گھر رکھ کر باقی جڑانوالہ کی غلہ منڈی میں فروخت کر دی۔ اور اب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حالات روز بروز بہتر ہونے لگے گویا بعد عُسر یسراً کی صورت حال پیدا ہوگئی۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث سے وابستگی 24 جولائی 1941ء کو حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی احمد رحمہ اللہ کی صدارت میں مغربی پاکستان کے تقریباً اڑھائی سو علماء کا اجلاس ہوا جس میں مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس اجلاس میں جن لوگوں کو ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) سے دعوت شرکت دی گئی۔ ان میں بھٹی صاحب بھی شریک تھے۔

لاہور روانگی اکتوبر 1948ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف چک نمبر 53 گ ب میں تشریف لائے اور بھٹی صاحب سے کہا' مجھے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی نے بھیجا ہے کہ مغربی پاکستان کے مختلف مقامات کی جماعتوں سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رکھنے کیلئے مرکزی جمعیت کے دفتر میں آفس سیکرٹری کی ضرورت ہے تاکہ جماعت کے نظم و نسق کو مربوط کیا جائے' اس سے جماعت مضبوط ہوگی' تم میرے ساتھ لاہور چلو مولانا غزنوی' اس سلسلہ میں بات کریں گے۔ اس طرح تیسرے دن رات کو وہ نئی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا کاررواں حیات نئی منزل یعنی گاؤں سے نکل کر شہر میں داخل ہو گیا۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی خدمت میں حاضری جب بھٹی صاحب مولانا غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے چند سوالات کیے بھٹی صاحب نے جوابات دیئے۔ مولانا بھوجیانی بھی موجود تھے۔ جب بھٹی صاحب اجازت لے کر کمرے سے نکلے تو غزنوی صاحب نے مولانا بھوجیانی سے فرمایا' معقول نوجوان ہے' محنت سے کام کرے گا۔ اسے بطور آفس سیکرٹری رکھ لینا چاہئے' اب مولانا بھوجیانی سید صاحب کے فرمان کے مطابق بھٹی صاحب کو مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کے پاس لے گئے انہوں نے فرمایا میں ایک بجے کالج سے فارغ ہو کر آپ کے پاس جمعیت کے

دفتر پہنچوں گا۔ چنانچہ وہ ایک بجے دفتر تشریف لائے۔ علیک سلیک اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد دفتر کی تمام اشیاء بھٹی صاحب کے حوالے کر دیں۔ اور نوے روپے تنخواہ مقرر ہوئی جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت معقول اور مناسب تھی۔

کام کی رفتار بھٹی صاحب چند دن گھر رہ کر واپس آئے اور باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ کام بہت محنت اور انہماک سے شروع کیا' تمام ذیلی جمعیتوں سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کیا' سب لوگ ان کے طریق کار پر مطمئن تھے۔

مرکزی جمعیت کی پہلی کانفرنس 1949ء کے مئی کے آخر میں لاہور میں ہوئی تو اس کیلئے بھٹی صاحب نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ کچھ مدت کے بعد جمعیت کی رکن سازی کا مرحلہ پیش آ گیا' تو اس کے انتظامات اور نشر و اشاعت کیلئے بڑی تگ و دو کی اور بھٹی صاحب نے یہ کام انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ نہایت سلیقے سے سرانجام دیا اور اس زمانے کی مختلف مقامات کی انجمنوں اور جمعیتوں سے مرکز کی طرف سے رابطہ رکھا۔ مرکزی جمعیت کے ابتدائی دور میں کام کی کثرت تھی اور جمعیت کے سربراہ بھی اونچے مرتبہ کے حامل لوگ تھے۔ جو کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اس لئے بھٹی صاحب ہمہ وقت مصروفیت میں رہ کر خوش رہتے تھے۔ اور ہمیشہ کی مصروفیت ان کی عادت ثانیہ بن گئی جو زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہی۔

ہفتہ وار الاعتصام سے وابستگی 19 اگست 1949ء کو گوجرانوالہ سے ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا۔ جس کا ڈیکلریشن مولانا عطاء اللہ حنیف نے لیا تھا۔ اس کا مدیر مولانا محمد حنیف ندوی کو مقرر کیا گیا اور اخراجات کی ذمہ داری گوجرانوالہ کی انجمن اہلحدیث نے قبول کی اور اخبار لاہور سے چھپتا تھا۔ چونکہ بھٹی صاحب میں لکھنے پڑھنے کا شوق و ولولہ 1937ء میں مرکز الاسلام میں مولانا عبدالحلیم شرر کے چند ناول اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریریں پڑھنے سے پیدا ہو چکا تھا خاص کر ان کے مضمون ''قول فیصل'' جو ادب و انشاء اور معلومات کا شاہکار تھے۔ اس سے بہت متاثر ہوئے تھے اس طرح مختلف قسم کی کتابوں اور اخبارات کے مطالعہ کا چسکا بھی پیدا ہو گیا تھا تو وہ الاعتصام میں کبھی کبھار لکھنے کا شوق پورا کر لیتے تھے۔ چار پانچ ماہ گزرنے کے بعد

انہیں الاعتصام کا معاون مدیر بنا دیا گیا اس طرح فروری 1950ء سے چار دن گوجرانوالہ جانے لگے اور تین دن لاہور میں نظامت دفتر کے فرائض سرانجام دیئے۔

کام کرنے کا سلیقہ جب گوجرانوالہ اخبار کے دفتر میں گئے تو وہاں نہ خریداری کیلئے رجسٹر تھا نہ ہی اخبارات و جرائد سے تبادلوں کا نہ ان لوگوں کا جن کو اخبار اعزازی طور پر بھیجا جاتا تھا۔ بھٹی صاحب نے دن رات محنت کر کے یہ تینوں رجسٹر الگ الگ بنائے اور سب کے نام اور پتوں کا اندراج کیا اور انہیں اخبار کے ایڈیٹر ندوی صاحب' ناظم اعلیٰ سلفی صاحب اور دفتر میں کام کرنے والے قاضی عبدالرحیم کو دکھایا۔ سب نے اس خدمت کی خوب تحسین فرمائی۔ اور بھٹی صاحب خاکروب' چپڑاسی' کلرک' مینجر' نائب مدیر اور مدیر سب عہدوں پر فائز تھے۔ بقول بھٹی صاحب' فرد واحد پورے دفتر پر قابض تھا۔ اور یہ تمام کام میرے لئے نہایت خوشی کا باعث تھے' نہ میں کام سے گھبراتا تھا نہ اکتاتا تھا۔ نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے کچھ سیکھنے کا لالچ تھا اور اس لالچ کا مجھ پر اتنا غلبہ تھا کہ جی چاہتا تھا میرے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی اخبار کے چھوٹے بڑے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں۔ خود کچھ نہ کریں۔ مجھے ہدایات دیتے رہیں۔ اور میں ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتا رہوں۔

مولانا ندوی اور بھٹی صاحب مولانا ندوی صاحب نے تحریری معاملہ میں بھٹی صاحب کی بہت رہنمائی کی اور انہیں بہت کچھ سکھایا۔ ندوی صاحب کے فرمان کے مطابق سید نواب صدیق حسن' رحمہ اللہ کی کتاب ''اتحاف النبلاء'' اسے متعدد محدثین وفقہاء کرام کے حالات فارسی سے اردو میں منتقل کئے مختلف اہل علم کے حالات بھی لکھنا اور چھاپنا شروع کئے۔ ادارتی شذرات بھی بنام اور بلا نام لکھے' مولانا ندوی بھٹی صاحب کا ہر چھوٹا بڑا مضمون دیکھتے اور ضروری ہدایات دیتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر علم سے نوازا تھا۔ اور الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ الفاظ کے محل استعمال سے خوب آگاہی بخشی تھی اور جو شخص ان سے کچھ سیکھنا چاہتا۔ اس کے ساتھ وہ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

نقد و تبصرہ بھٹی صاحب الاعتصام میں اپنے مضامین اور شذرات تو لکھتے تھے لیکن

ابھی تک کسی رسالے یا کتاب پر تبصرہ نہ کیا تھا' تنقید وتبصرہ کا اپنا ایک الگ اسلوب اور انداز ہے اور یہ مستقل فن ہے جب پہلی دفعہ ایک ہندوستانی رسالہ ''الہدیٰ'' دربھنگا پر تبصرہ کرنا پڑا جو مسلک اہلحدیث کا ترجمان تھا۔ بھٹی صاحب نے بار بار تبصرہ لکھا اور پھاڑا اور آخرکار چار گھنٹوں کی محنت شاقہ سے پندرہ سولہ سطریں لکھیں اور مولانا سلفی اور مولانا ندوی کو دکھانے کے بعد انہیں چھاپا' اس طرح انہیں اس کام کا ڈھنگ اور انداز آ گیا اور قلم رواں ہو گیا۔

اہل علم وفضل اور اصحاب خطبہ وتدریس کیلئے ایک انتہائی عبرت انگیز تبصرہ

مولانا مسعود عالم ندوی جو عربی زبان کے انتہائی فاضل ادیب تھے۔ اور گوجرانوالہ میں انہوں نے دارالعروبہ کے نام سے عربی پڑھانے کیلئے ایک ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ مولانا محمد حنیف ندوی کے دیرینہ دوست تھے۔ اور ظہر اور عصر کی نماز عام طور پر جامع مسجد اہلحدیث میں پڑھتے تھے۔ اور بھٹی صاحب پر بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے تھے' انہوں نے ایک مرتبہ اسلامی ممالک کا دورہ کیا اور اس دورے کے تاثرات ''دیار عرب میں'' کے نام سے شائع کیے۔ دیار عرب کے طویل سفر میں انہیں سب سے زیادہ پذیرائی سعودی عرب میں ملی۔ اہل علم کے علاوہ اصحاب اقتدار نے بھی انہیں احترام کا مستحق جانا۔ لیکن انہوں نے سعودی عرب اور وہاں کی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ بھٹی صاحب نے فاضل مصنف کے حسن تحریر کا تذکرہ کیا۔ ان کی تصنیفی خدمات کو اجاگر کیا اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی زیر تبصرہ کتاب کے مشمولات کی وضاحت کی اس کے بعد مصنف کو بتا کر اور اجازت لے کر سعودی عرب کے بارے میں انہوں نے جو لکھا تھا۔ اس کی نشان دہی کی لیکن مولانا کے خلاف کچھ نہ لکھا نہ ان پر تنقید کی' صرف اتنا لکھا کہ جن لوگوں نے ان کی سب سے زیادہ پذیرائی کی اور ان کو احترام دیا انہوں نے انہی کو ہدف تنقید بنایا۔ محترم مصنف یہ تبصرہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور تبصرہ کو صحیح قرار دیا لیکن چند دن بعد ان کا رویہ بگڑ گیا اور بے رخی اور عدم توجہی کا مظاہرہ شروع ہو گیا۔ یہ 1950ء کی بات ہے بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ جماعت اسلامی کے دفتر اچھرہ کے کسی عہدہ دار نے انہیں بھڑکایا۔ اب بھٹی صاحب نے ایک دن نماز کے بعد حسب معمول سلام کیا اور انہوں نے بے دلی سے جواب دیا۔ تو بھٹی صاحب نے آگے بڑھ کر ادب سے

عرض کیا مجھے مصنفوں اور مقالہ نگاروں کی نفسیات کا علم نہیں۔ لیکن میرے خیال میں کتاب جب چھپ کر قاری تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے متعلق قاری کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اگر خود مصنف کسی کو تبصرے کیلئے کتاب دے تو تبصرہ نگار کو اس پر مصنف کی طرف سے اظہار رائے کی باقاعدہ سند مل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر مصنف کسی پر تنقید اور اظہار رائے کا حق رکھتا ہے تو اسے بھی اپنی کسی تحریر اور تحقیق پر کسی اور کی طرف سے اظہار رائے کا خوش دلی سے سامنا کرنا چاہئے۔ یہ تو انصاف نہیں کہ مصنف خود تو جس پر جی چاہے اور جس انداز سے چاہیے تنقید کرے لیکن کسی سلسلے پر اس کے متعلق کچھ کہا جائے تو خفگی کا اظہار کرنے لگے۔ یہ لینے اور دینے کے دو پیمانے آخر کیوں؟۔ مصنف کو کمزور دل نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں قوت برداشت ہونی چاہئے۔

لیکن آج کا سکہ رائج الوقت یہ دوہرا معیار ہی ہے ہر کوئی دوسرے پر نقد و تبصرہ کرتا ہے لیکن اپنے اندر قوت برداشت نہیں رکھتا۔ اس پر مولانا ندوی مسکرائے اور بھٹی صاحب سے بغل گیر ہوئے۔ اور اعتراف حقیقت کرتے ہوئے فرمایا۔ تم نے بالکل ٹھیک بات کی، پھر پہلے والا رویہ بحال ہو گیا۔

الاعتصام کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں تگ و دو جون 1950 میں مولانا سلفی اور مولانا ندوی کے حکم پر الاعتصام کی اشاعت کی توسیع کیلئے جنوبی پنجاب کے مختلف علاقوں کی موثر شخصیات سے جون کے مہینے کی شدید گرمی کے موسم میں رابطے کئے اور کئی سو سالانہ خریدار بنائے اور یہ اس دور کی بات ہے جب سڑکوں کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ تصور بھی نہ تھا۔ اس وقت کچے راستوں پر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پھر جنوبی پنجاب کے علاقوں کے علاوہ بہت سے دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا اور حسن نیت اور اخلاص کی دولت کے باعث جہاں بھی گئے اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا۔

نائب مدیر سے مدیر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے حکومت کی اعانت سے لاہور میں کلب روڈ پر ادارہ ثقافت اسلامیہ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا 15 مئی 1951ء کو مولانا محمد

حنیف ندوی ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے' تو ادارے سے وابستگی کے بعد وہ کچھ عرصہ تک الاعتصام کے مدیر بھی رہے نیز الاعتصام کا ڈیکلیریشن بھی گوجرانوالہ سے ختم کر کے لاہور کا لے لیا گیا تھا اور بھٹی صاحب کو اس کا مدیر بنا دیا گیا۔ اس طرح ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور ذمہ داریاں بڑھ گئیں مضامین'' کیلئے اہل علم سے رابطہ رکھنا اشاعت کیلئے اخبار کی پالیسی کے مطابق ان میں ردوبدل کرنا' اور زبان کی تصحیح کرنا' اداریہ لکھنا ادارتی شذرات لکھنا' کتابوں پر تبصرے کرنا' سیاسی نقطہ نظر سے جماعت کی پالیسی کی وضاحت کرنا اپنے مسلک کی اشاعت کیلئے کوشاں رہنا اور کسی سلسلے میں دوسروں سے اختلاف یا اتفاق کے دائرے کا تعین کرنا اور قلم کو ان حدود کے اندر رکھنا یہ سب انتہائی اہم امور تھے۔ جن کو بھٹی صاحب کو پیش نگاہ رکھنا پڑتا تھا۔ یہ سب کام بھٹی صاحب اکیلے سرانجام دیتے تھے۔ ان فرائض کی ادائیگی میں کوئی ان کا معاون نہ تھا۔ کام کی کثرت کے باوجود وہ یہ سب امور انتہائی مسرت سے سرانجام دیتے تھے۔ پندرہ سال سے کچھ زیادہ عرصہ وہ الاعتصام کے مدیر رہے۔ اس عرصہ میں ہر فقہی ہر مسلک اور ہر نقطہ نظر کے اصحاب علم سے میل جول کے مواقع میسر آئے اور بہت سے لوگوں سے مسلکی اور سیاسی بحثیں ہوئیں لیکن بحث و تمحیص میں انہوں نے کبھی راہ اعتدال کو نہیں چھوڑا' ذہن وفکر کا رجحان ہمیشہ ایسا رہا کہ جس سے بھی بحث ہوئی اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ اور اسے عالم ثابت کرنے کی کوشش کی' کیونکہ جن لوگوں سے انہوں نے تربیت لی تھی یعنی مولانا عطاء اللہ حنیف' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا سید داؤد غزنوی' مولانا سلفی رحمہ اللہ اجمعین یہ حضرات جب کسی کے متعلق اظہار رائے کرتے تو اس کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے لیکن آج عجیب دور آ گیا ہے کہ رسائل و جرائد اور اخبارات اور زبانی بیانوں میں نہ سیاست دان اپنے سے اختلاف کرنے والوں کا احترام کرتے ہیں اور نہ ہی مجموعی طور پر دینی اور مذہبی علماء کرام اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ زبان اور قلم کا انتہائی بے رحمی اور بے دردی سے استعمال کرتے ہیں۔

الاعتصام کے خصوصی نمبر

بھٹی صاحب کے زمانہ ادارت میں الاعتصام کے کئی خاص نمبر چھپے جن میں ایک حجیت حدیث نمبر ہے جو بڑے سائز کے ایک سو صفحات پر مشتمل تھا' حجیت

حدیث نہایت نازک اوراہم موضوع ہے یہ بھی بھٹی صاحب نے ترتیب دیا۔ بہت سے اصحاب سے مضامین لیے اور ہر مضمون کے آغاز پر فاضل مضمون نگار کا تعارف کروایا یہ نمبر فروری 1956ء میں شائع ہوا۔ اس کے چودہ ماہ بعد مئی 1957 میں 1957ء کی جنگ آزادی کی مناسبت سے ''1957ء نمبر'' شائع کیا جو خاصہ ضخیم تھا۔ جو برصغیر کے متعدد اہل علم کے مضامین پر محیط تھا۔ اور اکیلے بھٹی صاحب نے مرتب کیا تھا جس کی اخبارات میں بہت تحسین کی گئی تھی۔

الاعتصام سے علیحدگی دسمبر 1949ء تا 1963ء تک بھٹی صاحب کا واسطہ حضرت سید غزنوی کے ساتھ رہا۔ 16 دسمبر 1965ء کو ان کا انتقال ہو گیا تو حالات بدل گئے۔ اور بھٹی صاحب کے اخبار کی انتظامیہ سے حالات کشیدہ ہو گئے۔ آہستہ آہستہ حالات شدت اختیار کرتے گئے تو بھٹی صاحب نے 3 مئی 1965ء کو الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ مجموعی طور پر وہ تقریباً سترہ سال الاعتصام سے منسلک رہے چونکہ انہوں نے الاعتصام کے ابتدائی دور سے لے کر اپنے زمانہ ادارت کے اختتام تک اس کیلئے بڑی تگ و دو کی تھی۔ اس لئے مستعفی ہونے کے بعد بھی یہ اخبار ان کے دل کی گہرائیوں میں راسخ رہا۔ کیونکہ ان کے بقول انہوں نے اسی اخبار میں قلم پکڑنا سیکھا اور یہ ان کی اولین درسگاہ تھا۔ اس لئے وہ اس کو اپنا بڑا محسن سمجھتے تھے۔ اب تو یہ اخبار ان کے محسن استاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے لخت جگر حافظ احمد شاکر حفظہ اللہ کی ادارت میں آ چکا ہے۔ اور وہی اس کے مالک ہیں۔ اس لئے بھٹی صاحب اس کی مجلس ادارت کے اہم رکن تھے......

سہ روزہ منہاج جنوری 1958ء میں چند دوستوں کے ساتھ مل کر بھٹی صاحب نے سہ روزہ منہاج کا تجربہ کیا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اپریل 1959ء کو وہ بند ہو گیا اتنا عرصہ وہ الاعتصام کی ادارت سے علیحدہ رہے اور پھر واپس آ گئے۔

جولائی 1965ء میں الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ کے بعد بھٹی صاحب نے مولانا سید داؤد غزنوی کے گرامی قدر صاحبزادہ پروفیسر سید ابو بکر غزنوی کے ساتھ مل کر لاہور سے ہفت روزہ توحید جاری کیا' لیکن ڈھائی ماہ کے دوران ہی حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ستمبر

1965ء کو انہوں نے اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ادارت کے دوران بھٹی صاحب کئی سال تک روزنامہ ''امروز'' میں مضمون نویسی اور کالم نگاری کرتے رہے اسی طرح مجیب الرحمٰن شامی کے زیرادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' میں ایک عرصہ تک شخصیات پر لکھتے رہے اور کچھ عرصہ روزنامہ پاکستان میں بھی لکھتے رہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے انسلاک

20 اکتوبر 1965ء کو مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا محمد رئیس احمد اور اسماعیل ضیاء بھٹی صاحب کے گھر آئے لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سعید احمد جو ایک اسکول کے طالب علم تھے گھر پر موجود اور ان کی دوسری اہلیہ جو ان کے سگے ماموں میاں عبدالغنی کی صاحبزادی تھی چند دن کیلئے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ حضرات گھر پر نہیں ٹھہرے کھڑے کھڑے یہ کہہ کر چلے گئے کہ کل سے آپ کے بھائی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہو گئے ہیں۔ ان سے کہیں کہ کل نو بجے صبح آپ رئیس احمد جعفری سے ان کے گھر مل لیں۔ اس طرح بغیر ان کی رغبت و چاہت اور بلا کسی درخواست کے گھر پر بیٹھے بیٹھے 21 اکتوبر 1965ء سے ادارہ کے ریسرچ فیلو بن گئے۔ یہ ایوب خاں کا دور حکومت تھا۔ وزیر قانون ایس ایم ظفر تھے اور اس نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماتحت ایک لیگل کمیٹی بنائی تھی جس کا مقصد قانونی نوعیت کے بعض اسلامی مسائل پر غور کرنا تھا۔ اور جس کے چیئرمین شاہ محمد جعفر پھلواری تھے۔ اور دو ارکان اور تھے۔ اور ادارہ کے اکیڈمک ڈائریکٹر میاں محمد شریف تھے۔ جو ایک طویل عرصہ تک علی گڑھ یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے تھے۔ انہوں نے بھٹی صاحب سے کہا ہمیں لیگل کمیٹی کیلئے ایک رکن کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنے رفقائے کار مولانا محمد حنیف ندوی' شاہ محمد جعفر پھلواری اور رئیس احمد جعفری سے کیا تو ان سب نے آپ کا نام لیا۔ آپ میری گذارش قبول فرمائیں۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ چونکہ یہ علمی کام تھا اور بھٹی صاحب کے ذوق کے مطابق تھا۔ اس لئے انہوں نے شوق سے قبول کر لیا۔ تو میاں صاحب نے شکریہ کے ساتھ دفتر کے ہیڈ کلرک کو بلا کر پروانہ تقرری دے دیا۔ اس طرح 21 اکتوبر 1965ء کو ادارہ میں ان کی تقرری ہوئی۔ لیگل کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے انہیں

بہت فائدہ پہنچا۔ لائبریری اس وقت تقریباً چودہ ہزار کتابوں پر مشتمل تھی تفسیر' حدیث' فقہ' تاریخ ادبیات اور لغت وغیرہ کی تمام کتب موجود تھیں۔ بھٹی صاحب نے تمام سے استفادہ کیا اور انہیں لائبریری سے اس قدر تعلق اور انس پیدا ہو گیا۔ کہ اتنی کتابوں میں سے کوئی ریکارڈ دیکھے بغیر اپنی ضرورت کی کتاب المارِی سے نکال دیتے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس تعلق اور انس کا علم تھا۔ اس لئے ادارے کے نئے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام جس نے لیگل کمیٹی ختم کر دی تھی۔ اور دونوں بیرسٹروں کو جواب دے دیا' اور مولانا محمد حنیف ندوی رئیس احمد جعفری' شاہ محمد جعفر پھلواری اپنی دلچسپی کے موضوع کی کتاب لانے کا بھٹی صاحب کو کہتے۔ اور وہ نہ صرف متعلقہ کتاب بڑی مسرت سے لا کر دیتے بلکہ موضوع کی اصل عبارت بھی نکال کر دیتے۔ ظاہر ہے اس سے انہیں فائدہ پہنچتا اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ اس طرح ان کی علمیت کے جواہر حقیقت میں یہیں آ کر کھلے اور ان کے اشہب نے خوب چوکڑیاں بھریں۔ اور ان کے عطر بیز قلم سے بے شمار کتابیں نکلیں' آغاز الفہرست ابن ندیم کے ترجمہ اور علمی حواشی اور تعلیقات سے ہوا۔

مجلّہ ثقافت سے المعارف تک

بھٹی صاحب جب ادارے سے وابستہ ہوئے اس وقت (اکتوبر 1965ء) اس کا مجلّہ ثقافت کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ جس کے ایڈیٹر رئیس احمد جعفری تھے۔ 1967ء میں اس کا نام ادارے کے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام کی تجویز سے المعارف رکھا گیا اس کے مختلف ایڈیٹر رہے۔ پھر بھٹی صاحب کو اس کا ایڈیٹر بنا دیا گیا اور ایڈیٹری کی مدت بائیس سال پر مشتمل ہے وہ پہلے ثقافت اور المعارف میں مضمون لکھتے رہے اور اب مضامین کے ساتھ اداریہ' کتابوں پر تبصرہ اور ایک حدیث کے عنوان سے ہر ماہ ایک مضمون باقاعدگی سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح المعارف میں چھپنے والے خالص تحقیقی مقالات کم از کم تین ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گے۔

المعارف جنوری 1968ء کو جاری ہوا۔ اور اس کا پہلا شمارہ بیس سالہ نمبر تھا۔ کیونکہ پاکستان کو بنے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ اس کیلئے مضامین جمع کرنا' مقالہ نگاروں سے رابطہ کرنا' اور اس شمارے کو مرتب کرنے کی ذمہ داری بھٹی صاحب کے سپرد تھی جو اس بات کی بین دلیل ہے

کہ ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام اور دوسرے احباب کو آپ کی صلاحیتوں اور قوت کار پر مکمل اعتماد تھا اور بھٹی صاحب نے یہ شمارہ نہایت محنت سے مرتب کیا اور محنت کرنا ان کی عادت ثانیہ تھی۔

اس کے علاوہ پانچ کتابوں کی ایڈیٹنگ کی جو ادارہ کی طرف سے شائع ہوئیں سب کے شروع میں وقیع مقدمات تحریر کیے اور بھٹی صاحب کے دور میں ادارہ کے چھ ڈائریکٹر بنے اور آپ نے سب کے دور میں بطور ریسرچ فیلو تصنیفی خدمات سرانجام دیں اور ان سب کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔ اس طرح ادارے میں جن سکالروں اور مصنفوں کے ساتھ تصنیفی خدمات سرانجام دیتے رہے سب کے ساتھ اچھے مراسم رہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے علیحدگی ادارہ؛ میں بھٹی صاحب نے بہت سے علمی اور تحقیقی کام کرتے ہوئے تیس سال ادارے میں رہے اور آخر کار 16 مارچ 1996ء کو ادارے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ادارہ سے علیحدگی کے بعد بھی اللہ کے فضل وکرم سے بھٹی صاحب کا سیال قلم بڑھاپے کے باوجود جواں سال رہا۔ اور انہوں نے بے شمار تحریری کام کیے جس کی تفصیل ہمارے نوجوان فاضل دوست' مولانا فاروق الرحمان یزدانی حفظہ اللہ لکھ رہے ہیں۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دوران مختلف روزناموں اور ماہناموں میں لکھتے رہے 1978ء سیرت کمیٹی بنائی گئی تو اس کا رکن بھی انہیں بنایا گیا سیرت کے طریق تعلیم کے لیے ہر رکن کو اپنی تحریری رپورٹ پیش کرنی تھی۔ بھٹی صاحب نے اپنی تفصیلی رپورٹ مقررہ مدت کے اندر کمیٹی کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ کو پیش کر دی۔ تو کمیٹی کے صدر نے کمیٹی کے اجلاس میں اس کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا اور انتہائی تعریفی کلمات کہے جو بھٹی صاحب کیلئے انتہائی حوصلہ افزا تھے۔

اس طرح اسی دوران 88-1987ء میں گیارہ ماہ ہفتہ روزہ اہلحدیث کی ادارت کا فریضہ سرانجام دیا اور اخبار کا اڑھائی سو صفحات کا حرمین شریفین نمبر" ترتیب دیا جو متعدد مشہور اہل قلم کے مضامین کا ایسا تحقیقی اور تاریخی دستاویز پر مبنی مجموعہ ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریریں ریڈیو پاکستان پر پہلی تقریر یکم رمضان 1385ھ

بمطابق 25 دسمبر 1960ء کو ہوئی سحری کے پروگرام کے تین منٹ کے دورانیہ میں جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ اس کے بعد ریڈیوں کی تقریروں کا طویل سلسلہ چلا ایک ایک دن میں تین تین تقریریں ہوئیں کبھی پنجابی کی سوہنی دھرتی کا پروگرام' کبھی صراط مستقیم' کبھی آیات بینات' کبھی فوجی بھائیوں کا پروگرام کبھی کتابوں پر تبصرے' کبھی کسی صحابی رسولؐ کے حالات' کبھی کسی مذاکرے میں شمولیت' ان تقریروں کا سلسلہ 1997 کے آخر تک جاری رہا۔اس کے بعد بھٹی صاحب نے معذرت کرلی۔

ریڈیو پروگرام کے بارے میں تین باتیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ (1) ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور کی طرف سے ہفتہ حدیث منایا گیا اس کیلئے ارباب انتظام نے مختلف سات موضوعات کا انتخاب کیا اور اس کیلئے سات مقرر منتخب کئے گئے۔ ہر تقریر کا دورانیہ 35 منٹ تھا بھٹی کا موضوع حدیث اور اسماء الرجال تھا۔ بھٹی صاحب نے کہا میں اپنی بات 35 منٹ میں مکمل نہیں کرسکتا تو پروڈیوسر نے کہا کہ آپ زیادہ وقت لے لیں تو بھٹی صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی جو متعدد بار ریڈیو سے نشر ہوتی رہی۔ (2) ایک مرتبہ ربیع الاول کے مہینہ میں ریڈیو پاکستان کی فرمائش پر علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیف رحمۃ اللعالمین کی تین جلدوں کی تلخیص پندرہ دنوں میں پیش کی ہر روز کا دورانیہ پندرہ منٹ تھا۔ پھر یہ تلخیص ربیع الاول کے مہینہ میں کئی سال نشر ہوتی رہی۔ پھر کچھ عرصہ اس طرح کی تلخیص ریڈیو کے پروگرام میں پنجابی زبان میں بیان کی۔

(3) ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان سے ''زندہ تابندہ'' کے عنوان سے ایک پروگرام شروع ہوا جس میں فوت شدہ اہل علم کے علمی' عملی' تدریسی اور تصنیفی کارنامے بیان کئے جاتے۔ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے ریڈیو کے اصحاب انتظام نے کہا۔ آپ اس عنوان پر ہر ماہ پندرہ تقریر کیا کریں۔ انہوں نے اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے اس سے معذرت کی۔ ریڈیو والوں کے اصرار پر یہ سلسلہ شروع کیا اور ریڈیو پر 45 علمائے کرام پر تقریریں کیں۔ جن کا تعلق برصغیر کے علمائے اہلحدیث سے تھا۔ ریڈیو پر دیوبندی' بریلوی' شیعہ اہل علم کے کوائف حیات تو بیان

ہوتے تھے لیکن اہلحدیث اہل علم کا اس کثرت تذکرہ سے پہلی دفعہ ہوا۔

ٹیلی ویژن پر پہلا پروگرام :۔ 27 جولائی 1973ء میں ہوا اور یہ بصیرت کے نام سے تھا جس کا دورانیہ پانچ منٹ تھا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر بہت سے پروگرام کئے بھٹی صاحب نے اپنی تحریروں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اور کبھی بھی مداہنت سے کام لیتے ہوئے لچک نہیں دکھائی، اور پوری جرات وبسالت سے اپنے اہلحدیث ہونے کا تذکرہ کیا بھٹی صاحب نے اپنی تحریری خدمات کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا۔ (1) تصانیف وتراجم (2) اخباری مضامین ومقالات (3) اخباری اداریے اور شذرات (4) بے شمار کتابوں پر تبصرہ، (5) بہت سی کتابوں پر مقدمات (6) ریڈیو اور ٹی وی، پر تقریریں

تصنیف وتالیف اور اخبارات وجرائد کے مضامین ومقالات کے علاوہ بے شمار طلبہ اور طالبات کو ایم۔ اے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھنے میں مدد دی۔ بھٹی صاحب نے اپنے ساٹھ سال سے زائد عرصہ سے قلم وقرطاس کے شعبے سے تعلق کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال ہفتہ روزہ الاعتصام پر خدمت ادارت سرانجام دی۔ بتیس سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیف وتالیف میں مصروف رہا۔ متعدد جماعتی اور غیر جماعتی رسائل وجرائد میں لکھا۔ طویل عرصے تک اپنے دور کے مشہور اخبار روزنامہ امروز میں کالم نگاری اور مضمون نویسی کی لیکن اس طویل مدت میں ایک لفظ بھی میں نے کسی اہل حدیث عالم یا مصنف کے خلاف نہیں لکھا کبھی کسی صاحب علم اہل حدیث پر تنقید نہیں کی۔ میرے قلم کی تربیت اور طرز نگارش کی پرورش اللہ کے فضل سے ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ اپنی جماعت کے کسی عالم اور مصنف کی مخالفت وتنقید کے مکروہ فعل میں نہ کبھی ملوث ہوا۔ اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ بعض اوقات البتہ لطیفے ہو جاتے ہیں اور لطیفہ بیانی ہر صاحب ذوق کی ذہنی غذا ہے لطیفے کو لطیفہ ہی سمجھنا چاہئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی غیر اہلحدیث نے میرے مسلک، میری جماعت یا میری جماعت کے کسی عالم کو ہدف تنقید ٹھہرایا یا کسی اسلوب پر نشانہ طنز کیا تو میں نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا ایسے موقع پر خاموش رہنا میری ذہنی افتاد اور میرے قلم کی فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن یہاں بھی میں نے اپنے مخاطب کا پورا احترام کیا

اور اس کے علم و تحقیق کے ہر پہلو کو ملحوظ رکھا"۔

بھٹی صاحب نے ہمیشہ اپنے لکھنے پڑھنے کے مشاغل کو ہر کام پر ترجیح دی۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھے بغیر ہائی کورٹ کے ایک دوست جج نے ان کا نام عدالت کے مشیر کے طور پر لکھا اور اس کی تقرری کی اطلاع ان تک پہنچ گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جج صاحب کا ٹیلیفون بھی آ گیا۔ بھٹی صاحب نے اس کی کرم نوازی پر شکریہ ادا کیا اور کہا میں تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف ہوں اور وہ کسی اور کام کی طرف توجہ نہیں ہونے دیتے انہوں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا یہ آمدنی کا ایک ذریعہ ہے لیکن بھٹی صاحب نے متعلقہ دفتر میں شکریہ کا خط لکھ کر معذرت کر لی۔ اس طرح ایک دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور بھٹو دور کے وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی مرحوم جو بھٹی صاحب کے دیرینہ دوست تھے۔ نے اس کی رکنیت قبول کرنے کیلئے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کے دفتر میں آ کر اصرار کیا۔ تو بھٹی صاحب نے جواب دیا میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن یہ خدمت میرے اصل کام میں رکاوٹ کا باعث ہو گی مجھے دینی کام کرنا چاہئے جو میں کر رہا ہوں علاوہ ازیں نظریاتی کونسل کے کاروبار سے مجھے زیادہ اتفاق ہی نہیں۔ وہ یہ سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

ذوق مطالعہ

بھٹی صاحب کو مطالعہ کا شوق زندگی کے ابتدائی دور سے ہی ہو گیا تھا۔ اور یہ شوق دن بدن ترقی کرتا گیا۔ وہ 1948ء میں جب لاہور آئے تو ان کی تنخواہ 90 روپے تھی۔ وہ سستا زمانہ تھا اور کتابوں کی قیمتیں بہت کم تھیں کسی کی چار آنے کسی کی آٹھ آنے زیادہ سے زیادہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ۔ بھٹی صاحب ہر ماہ پانچ چھ روپے کی کتابیں خریدتے جن کی تعداد پندرہ سولہ تک پہنچ جاتی۔ پھر جب تنخواہ ایک سو پچیس روپے ہوئی تو دس بارہ روپے کی ماہانہ خریداری ہونے لگی کبھی پندرہ بیس کی بھی ہو جاتی۔ تبصرے کے لئے آنے والی کتابیں بھی ملتیں۔ پھر جیسے جیسے تنخواہ بڑھتی گئی کتابوں کی خریداری بھی بڑھتی گئی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک رہا۔ بعض دفعہ 6 ہزار تک کی خریداری کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف بڑی لائبریریوں سے استفادہ جاری رہا۔ جب تک ادارہ ثقافت اسلامیہ رہے اس کی کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ جب وہاں سے الگ ہو گئے تو پنجاب یونیورسٹی لائبریری جانے لگے اور وہاں کے عملے کے تمام ارکان

سے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ اس لائبریری میں کئی لاکھ مطبوعہ اور تیس پچیس ہزار غیر مطبوعہ کتب موجود ہیں دوسری لائبریری جہاں ان کی آمد و رفت رہی۔ وہ پنجاب لائبریری ہے۔ یہاں بعض ایسی قلمی کتب ہیں جو پنجاب یونیورسٹی میں نہ تھیں۔

تیسری لائبریری دیال سنگھ لائبریری ہے جہاں ان کا آنا جانا رہا۔ اور جہاں انہیں متعدد حوالے کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ چوتھی لائبریری' عجائب گھر کی ہے۔ جہاں لاہور کے دو مشہور سکالروں اور ممتاز مصنفوں کی لائبریریاں منتقل ہوئیں ہیں مولانا غلام رسول مہر اور ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید اس سے بھی انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

پانچویں لائبریری جو حضرت مولانا عطاء اللہ حیف بھوجیانی کی لائبریری ہے جو دارالدعوۃ السلفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور شیش محل چوک روڈ لاہور پر واقع ہے بعض نے اس کو مولانا عطاء اللہ حنیف لائبریری کا نام دیا ہے جہاں بھٹی صاحب کو ہر کتاب ہر وقت مل سکتی تھی۔ اس میں پرانے ماہانہ او ہفت روزہ رسائل بھی موجود ہیں جو کم و بیش بیس ہزار صفحات علمی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

چھٹی لائبریری جناب محمد عالم مختار حق کی انفرادی لائبریری ہے ان سے بھی اپنی ضرورت کی کتاب جب چاہتے ٹیلی فون کر کے منگوا لیتے۔ عالم صاحب خود کتاب بھجوا دیتے یا خود ہی لے کر حاضر ہو جاتے۔ اگر بھٹی صاحب ان کی لائبریری میں جانا چاہتے تو وہ لینے کیلئے اپنی گاڑی بھجوا دیتے۔

ساتویں لائبریری محترم و مکرم پروفیسر عبدالجبار شاکر کی بیت الحکمت ہے جو بہت بڑی لائبریری ہے جو عربی' فارسی' اردو' انگریزی اور دیگر متعدد زبانوں کی ایک لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب پر مشتمل ہے۔ اس سے بھی بوقت ضرورت استفادہ کیا۔ اسی طرح گوجرانوالہ میں جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کی لائبریری لاکھوں کتب اور رسائل و جرائد کا احاطہ کیے ہوئے۔ ان سے بھی بوقت ضرورت منگوائیں اور آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق تقریباً تین ہزار کتابیں جمع کیں۔ ان انتہائی وسیع اور متنوع لائبریریوں سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ان کا مطالعہ غیر

معمولی طور پر وسیع اور متنوع تھا۔ عربی فارسی' اردو اور پنجابی کے اشعار' محاورے' ضرب الامثال اور کہاوتیں یاد تھیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کے پاس جو کتب' رسائل و جرائد اور اخبارات تھے روز نامے' سہ روزہ' ہفتہ وار' سہ ماہی' شش ماہی اور سالانہ سب کا مطالعہ کرتے اور واقف کاروں کو بھی مطالعہ کرنے کا شوق دلاتے اسی طرح بھٹی صاحب نے پڑھا' خوب پڑھا اور متنوع اور گوناں گوں پڑھا۔

دعوت دین اور اس کا انداز واسلوب بھٹی صاحب نے اپنی ملازمت کے آغاز کے ساتھ 1944ء میں خطبہ جمعہ اور نماز فجر کے بعد درس قرآن شروع کیا تھا۔ اور اس کا انداز مثبت تھا۔ کیونکہ ان کے بقول ''میری تربیت جن علماء کرام میں ہوئی نہایت اونچی شخصیات اور بے حد معتدل مزاج تھے۔ اور اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے۔ منفی نقطہ نظر سے کوسوں دور تھے۔ ان میں سے کسی نے کفر و شرک' اور بے دینی کے فتویٰ جاری نہیں کئے وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے اور اس کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دکان لگائی نہ کفر کی' نہ کفر کی تقسیم کیلئے کوشاں ہوئے۔ نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا' نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی''۔

تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان کے قیام کے شروع میں ہجرت کر کے چک نمبر 53 گ ب میں آ بسے تو یہاں بھی خطبہ جمعہ اور درس قرآن مجید شروع کر دیا۔ جب یہ لاہور آئے تو پھر کچھ عرصہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں مستقل خطبہ دیا۔ پھر گاہے بگاہے خطبہ دیتے رہے۔

سحر خیزی اور تلاوت قرآن:۔ بھٹی صاحب کے دادا نے ان کی اپنی تربیت اپنی نگرانی میں انتہائی اخلاص اور پورے اہتمام سے کی تھی۔ وہ انہیں نماز فجر سے پہلے جگا دیتے اور انہیں اپنے ساتھ لے جاتے اور اس طرح یہ ان کا مستقل معمول بن گیا کہ گرمی ہو یا سردی' سفر ہو یا حضر کیسی بھی حالت اور کیسا بھی موسم ہو وہ بالعموم فجر کی اذان سے پہلے اٹھتے' پھر دو چار رکعتیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید کا آدھا پارہ بالالتزام پڑھتے۔ اگر کسی وجہ سے نہ پڑھ سکتے تو اندیشہ رہتا کہ معلوم نہیں دن کیسا گزرے گا۔

پھر دن کو جب بھی موقعہ ملتا تلاوت کر لیتے۔ تاہم وہ اطمینان قلب نہ مل سکتا جو نماز فجر سے پہلے تلاوت کرنے سے ملتا اس طرح انہیں قرآن سے انتہائی انس پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے بہت سے مرد اور عورتوں کو ترجمہ قرآن پڑھایا۔

صلہ رحمی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وان ینسالہ فی اثرہ فیلصل رحمہ......

بھٹی صاحب اس کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ انہوں نے واقعی صلہ رحمی کا صحیح حق ادا کیا حتیٰ المقدور سب بھائیوں اور بہنوں کا خیال رکھا۔ ان کی تعلیم و تربیت اور کاروبار یا ملازمت کا انتظام کیا۔ اور اپنی دولت و ثروت کو ان پر نچھاور کیا۔ ان کی والدہ سے یہ دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے اور سب سے چھوٹے محمد حسین صاحب تھے۔ اس بھائی کی تعلیم کا بھی انتظام اور کاروبار کیلئے معقول رقم دی۔

27 اگست 2007ء کو فوت ہوا تو اس پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور زندگی کے آخر تک اس کے اثرات ان کے قلب و ذہن سے محو نہ ہو سکے۔ اس کی وفات پر الاعتصام کے دو شماروں میں طویل مضمون لکھا۔ پھر اس کے بیٹے سلطان ناصر محمود کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ لیکن وہ بھی ان کی زندگی میں زندگی کی بازی ہار گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی دونوں بہنیں بھی ان کی زندگی میں وفات پا گئیں۔ دوسری والدہ جو ان کی حقیقی خالہ ہیں اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے، طارق محمود اس کو بھی میٹرک کے بعد اپنے پاس لے آئے۔ B.A. کے بعد ان کے ایک دوست نے جو واپڈا کے ایک شعبہ کے ڈائریکٹر تھے اسے کلرک بھرتی کروا دیا اب وہ اپنے شعبے کا سپرنٹنڈنٹ ہے دوسرا محمد حنیف، تیسرا محمد سعید ہے جس کو چار سال کی عمر میں ہی اپنے پاس لے آئے تھے میٹرک کے بعد اس کو بھی

کاروبار کروایا۔ اور چوتھا سب سے چھوٹا حکیم محمود ہے اور جڑانوالہ میں اپنی حکمت کا دواخانہ چلاتا ہے اللہ کے فضل سے یہ سب زندہ ہیں

بھٹی صاحب عزیز و اقارب کی غمی خوشی میں شریک رہے' وفات شدگان کی نماز جنازہ میں حتی الوسع شرکت کی۔ سب پر احسان تو کیا لیکن کسی کے احسان مند نہیں ہوئے اس صلہ رحمی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی دی اور آخر تک اپنی علمی مصروفیات میں مگن رہے اور اپنے کام سے جنون کی حد تک وابستہ رہے۔

خودداری اور غیرت آپ انتہائی خوددار اور باغیرت انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھا کسی کی چاپلوسی نہیں کی نہ کسی کے رعب دبدبے کو برداشت کیا کسی نے دھونس جمانے کی کوشش کی تو اسے قبول نہیں کیا اس کی خاطر ملازمت سے الگ ہونا پڑا تو بلا پس و پیش الگ ہو گئے۔ اور ضرورت و حاجت کے وقت بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا حتی کہ اپنے بھائیوں سے بھی کبھی ادھار بھی نہیں مانگا۔ ان کو دیا ضرور لیکن کسی صورت میں لیا نہیں' گویا وہ ایک سایہ دار شجر تھے جو خود دھوپ جھیل کر دوسروں کو سایہ فراہم کرتا ہے۔ تحمل و برداشت عجز و انکسار' فروتنی اور تواضع کا پتلا تھے تکبر و غرور اور گھمنڈ ان سے کوسوں دور تھا۔

ہر ایک چھوٹے بڑے سے انتہائی محبت و پیار سے پیش آتے اور ہر ملنے والا یوں سمجھتا وہ مجھے ہی پیار کرتے ہیں اگر کسی نے ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے تو انہیں برداشت کیا اور اس کا جواب تک نہیں دیا۔

روابط و تعلقات ان کے ہر طبقہ کے لوگوں سے تعلقات تھے غریب سے غریب تر سے لے کر امیر سے امیر تک' سیاست دان' صحافی' تجار' وکیل جج' وزراء' حکمران لیکن کسی سے ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا نہ ان کے سامنے جی حضوری کی نہ ان سے مرعوب ہوئے لیکن ہر ایک کا اس کی حیثیت کے مطابق احترام ملحوظ خاطر رکھا۔

مقبولیت وشہرت اللہ تعالیٰ نے انہیں انتہائی مقبولیت اور شہرت ناموری سے نوازا اور دنیا کے ہر بڑے ملک میں ان کے چاہنے والے اور عقیدت مند موجود تھے۔ اوران کی موت پر ہر جگہ سوگ منایا گیا اور ہر جگہ سے تعزیتی پیغامات آئے۔

اور ہر جگہ ان کی زندگی پر مضمون لکھے جارہے ہیں' بلکہ ان کی زندگی میں ہی لکھے گئے اور انہیں ان کی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا گیا۔ ہر جگہ انہیں بلایا گیا ان سے انٹرویو کئے گئے اوران کی زندگی کے مختلف گوشوں کو نمایاں کیا گیا اسی سلسلہ میں ان کے اعزاز میں مورخہ 3 مئی 2015 کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں انہیں شیلڈ اور گراں قدر اعزازیہ سے ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

وفات اور جنازہ كل نفس ذائقة الموت ۔ایک ہمہ گیر اور دائمی اٹل ضابطہ ہے جس سے کسی کو صفر نہیں ہے یہ دنیا تو عارضی ٹھکانہ ہے اصل جگہ تو آخرت ہے جس کی پہلی سیڑھی موت ہے۔ اس لئے آپ بھی چند روز بیمار رہ کر عالم جاوداں کو سدھار گئے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے اوران کی بشری لغزشوں سے صرف نظر فرمائے۔ آمین صد بار آمین۔

آپ 22 دسمبر 2015ء بمطابق 10 ربیع الاول 1437ھ بروز منگل صبح کو فوت ہوئے پہلا جنازہ لاہور ناصر باغ میں محترم ڈاکٹر حماد لکھوی نے دوبارہ مکرم حافظ احمد شاکر نے پڑھایا۔ تیسرا جنازہ ان کے آبائی گاوں چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں میں نماز عشاء کے بعد ساڑھے آٹھ بجے شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم نے پڑھایا' ہر جگہ' ایک جم غفیر نماز جنازہ میں شریک ہوا اور ہر جگہ اہل علم اور دیندار طبقہ کی کثرت تھی۔

اللهم اغفرله وارحمه